

ایران کے معاملات پر ایک نظر

توپی احمد خان

سوال: صدر امامہ کی ایران سے متعلق پالیسی کیا ہے؟ ایران پر مغربی ممالک کے دہاؤ کے کیا تھکنہ تابع ہو سکتے ہیں؟

انتخابی مہم کے دوران صدر اوباما نے افغانستان کی صورت حال، پاک بھارت تعلقات، امریکہ ایران تعلقات اور مشرق وسطیٰ کے عوی مسائل پر بڑے بیانات دیے۔ چنانچہ یہ توقعات باندھ لی گئی تھیں کہ ان کے دور صدارت میں ان تمام امور سے متعلق پالیسی میں تبدیلی آئے گی۔ تاہم یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہے کہ انتخابی مہم کبھی بھی سنجیدہ عمل نہیں ہوتا ہے۔ جب وہی امیدوار حکومت کا حصہ بنتا ہے تو اس کے سامنے حقائق تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جب وہ صرف امیدوار ہوتا ہے تو پریشر گروپوں کی طاقت کا درست اندازہ نہیں لگا سکتا خصوصاً مشرق وسطیٰ کے معاملے میں اسرائیلی لائبی کی طاقت کا۔

لگتا ہے کہ صدر اوباما بھی ان مسائل کا حل ڈھونڈنے میں سنجیدہ ہیں۔ خصوصاً ایران سے متعلق تو جو کچھ انہوں نے ایکشن مہم میں کہا تھا وہ اس پر قائم نظر آتے ہیں۔ ایران کے ساتھ ہر محاذ پر مذاکرات کے آغاز کا عنید یہ دے کر صدر اوباما نے اپنے پیش و صدر بخش کی نسبت بڑا دلیرانہ فیصلہ کیا تھا ان میں ایسی معاملہ پر مذاکرات بھی شامل تھے۔ تاہم اس وقت صورت حال الجھ کر رہ گئی ہے۔ اوباما انتظامیہ ایران کے ایسی معاملہ پر سخت موقف جاری رکھے ہوئے ہے اور ایران کو ختم پاندیہوں کی دھمکیاں دیئے رکھتی ہے۔ پھر اسی دور صدارت میں ایران اور امریکہ کے درمیان تازہ مذاکرات کا آغاز کرنے کی باتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اس ضمن میں کھلے رابطے تو سب کو نظر آرہے ہیں لیکن یہ بات بھی عقل تسلیم کرتی ہے کہ کچھ نہ کچھ چھپے رابطے

توپی احمد خان ایشی ٹینٹ آف اسٹریچ گ اسٹل بیز اسلام آباد کے ڈائریکٹر جزل ہیں۔ تیوری ان سے ۲۰۰۹ء کو لیے گئے ایک انٹرویو ہے۔

بھی کام کر رہے ہیں۔ صدر اور ابا ایک حقیقت پسند انسان ہیں چنانچہ وہ جانتے ہیں کہ خطے کے مسائل کا حل ایران کی شمولیت کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ خلیج میں واقع سب سے اہم نوعیت کا ملک ہے۔ اس میں شک و شبک کی گنجائش نہیں کہ ایران حزب اللہ اور حmas کے ساتھ اپنے تعلقات کے باعث خطے کے معاملات پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مزید براں اس کی افغانستان کے ساتھ ایک طویل سرحد ہے جس کے باعث ایران کے اس علاقے میں ثقافتی تعلقات کی اپنی ہی نوعیت ہے جو کہ زمانہ قدیم سے قائم ہیں اور ایران نے ان کی بڑی احتیاط کے ساتھ آبیاری کی ہے۔

اسی طرح ایران نے عراق کے بحران کو بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے حق میں استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ایران نے صدام حسین کی جاریت کا آٹھ سال تک سامنا کیا تھا اس لیے عراق میں بعث پارٹی سے ایک منتخب حکومت کے ہاتھوں اقتدار کی منتقلی ایران کے لیے روشنی کی کرن تھی خصوصاً اس لیے بھی کہ نئی حکومت ایرانی نقطہ نظر سے شیعہ مسلم سے بھی وابستہ تھی۔ ایران نے اپنے ثقافتی اور نہد بھی روابط استوار کر کے عراق کے اندر موجود جنگجوؤں کے ساتھ فکری، ہم آہنگی بھی بنالی ہے۔ ان روابط کے بہترین استعمال سے خطے میں ایک مضبوط تقویت بن جانے کے بعد ایران کو اس علاقے کے معاملات سے بے دخل کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ادباً بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ایران کی یہاں کے معاملات سے واقفیت اس خطے کے مستقبل اور یہاں ہونے والے مذاکرات اور ان میں پیش رفت کے لیے انہائی اہم اور نتیجہ بخیز عنصر ہو سکتا ہے۔

اس پیش منظر میں ایران امریکہ کے تعلقات ایک دلچسپ دور سے گذر رہے ہیں جس میں امریکہ اس حقیقت کو باور کرتا چلا جا رہا ہے کہ ایران اس خطے میں ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے اور یہ کہ ایران میں اتنا دمخم ہے کہ وہ اردو گرد کی دنیا پر اپنے اثرات مرتب کر سکے۔ دونوں فریق اس موقع پر ایک دوسرے کو پر کھنے کے مرحلے میں ہیں۔ ادباً کے لیے ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر مسئلے کا عسکری حل سوچنے والی اسرائیلی لابی کے مقتدر لوگ روشن خیال نہیں ہیں ان کی تو شدید خواہش رہی ہے کہ ایران کی ایسی تنصیبات کو بھوں سے اڑا دیا جائے۔ صدر اور اباما نے اسی مخصوص طبقے کے دباؤ کا سامنا کیا ہے اور عموماً اسرائیل کو جارحانہ قدم سے روکے رکھنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ ایران کے خلاف امریکہ یا اقوام متحدہ کے کسی بھی جارحانہ

قدم کا مطلب بڑی تباہی ہو سکتا ہے۔ انہیں احساس ہے کہ کوئی بھی ایسا قدموں معاملات کو اتنا چیزیدہ بنادے گا کہ اس غیر داشمند اور عاقبت نا اندیش فیصلے کے نتائج کو سینا انتہائی مشکل ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ ایران کے ایسی پروگرام کی مخالفت جاری رکھے ہوئے ہے۔ جب ایران میں انتخابات ہوئے اور وہاں احتجاج کا ایک دور چلا تو امریکی میڈیا یا جسے زیادہ تر امریکی حکومت لفے دے رہی ہوتی ہے۔ اور امریکی خفیہ ایجنسیوں نے احمدی نژاد کے خلاف ایک مضبوط موقف پرستی تحریک چلائی۔ ایران اسلامی شہنشہ نے یہ بات نوٹ کی کہ ان احتجاجی مظاہروں کو خوب ہوادی گئی تھی اور ایران میں ایک نرم رو انقلاب برپا کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔

مغرب نے کوشش کی ہے کہ ایران کے اندر سے اٹھنے والی آواز کو انقلاب ایران کے بعد پیدا ہونے والی سوچ اور قیادت کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ کئی دہائیوں سے ایران پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کی شدت پسند تحریکوں کا بہت بڑا حمایتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ ایران حزب اللہ اور حرس کو عالی مدد، ہتھیار، تربیت اور رضا کار فراہم کرتا رہتا ہے جو کہ مغرب کے نزدیک دہشت گرد تحریکیں ہیں۔ یہ وہ پس منظر ہے جس میں مغرب ایران کو ہمیشہ دہشت گرد ریاست کے طور پر دیکھتا رہا ہے حتیٰ کہ جب ایران نے اپنے اقتصادی مسائل بالخصوص اپنے خلاف لگانے والی پاندریوں کو غیر موثوک رکنے کے لیے لاطینی امریکہ تک رسائی حاصل کرنا چاہی تو اسے بھی امریکے عقب میں حالات خراب کرنے کی کوشش سے تعبری کیا گیا۔

اس سب کے باوجود دونوں ممالک نے رابطے جاری رکھتے تاکہ کسی طرح ایسے مشترک مقام کو تلاش کیا جاسکے جہاں دونوں کے مفادات اگر کسی طور پر کجا نہیں بھی ہو سکتے تو کم از کم اپنی حیثیت میں ہی پورے ہوتے رہیں۔ اور اس حاذ آرائی کو ختم کیا جاسکے جو گذشتہ 27 برس سے جاری ہے۔ ایران، مغرب بالخصوص امریکہ کے ساتھ جاری اس مکالے میں سوچ کی تہذیبی کا مقاضی رہا ہے۔ اس کی خواہش رہی ہے کہ مغرب اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ ایران کوئی دوسرے درجے کی طاقت نہیں ہے۔ اس ساری گفتگو میں نصف جدوجہد تو اس بات پرستی ہے کہ مغرب دنیا کے اس خطے میں ایران کی درست پوزیشن کو تسلیم کرے۔

اگرچہ ایران اور مغرب کے درمیان ڈائیلاگ کا یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ تاہم یہ ڈائیلاگ ابھی بھی بامعنی اور نتیجہ خیز نظر نہیں آتے۔ دونوں انتہائی درجے پرستی اپنی پسند کے نتائج سامنے رکھ کر آغاز کرتے

ہیں۔ امریکہ کا تقاضہ ہوتا ہے کہ ایران اپنے ایشی پروگرام کو مکمل طور پر ختم کر دے جو کہ ایران کے لیے کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ کسی ایسے سمجھوتے پر پہنچا جائے جس میں ایران کے وقار اور مفادات کا تحفظ کیا جاسکے۔ ابھی تک تو امریکہ نے ایران کو گھیرے رکھنے کی پالیسی سے کنارہ کشی اختیار کرنا تو دور کی بات اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں کی۔ یہ اس کی روایتی پالیسی ہے اور اس پالیسی میں کسی نہایاں تبدیلی کی توقع رکھنا ابھی تک ممکن رکھائی نہیں دیتا۔ البتہ اوباما کی اپنی پوزیشن میں تبدیلی نہایاں نظر آتی ہے۔

یہ بات بھی ناممکنات میں سے ہے کہ ایران مغرب کے دباؤ کا شکار ہو جائے گا۔ ایرانی ایک خوددار قوم ہیں اور ایسے کوئی زمینی حقوق اور وجہ نظر نہیں آتے جن کے نتیج میں ایران اس دباؤ کے سامنے ٹوٹ پھوٹ جائے۔ ایران نے نہ صرف اس دباؤ کو برداشت کیا ہے بلکہ اس سے انکار نے ایرانی قوم کے حوصلوں کو پست نہیں ہونے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب ایران کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر کے ہی اسے ملام کر سکتا ہے کیونکہ اسے جدید ٹکنالوجی اور دیگر نیادی نوعیت کی ضروریات اشدار کار ہیں۔ اگرچہ ایران کے ساتھ امریکہ کی دشمنی اور پابندیوں نے ایران میں ترقی کا پھیپھی سالہ سال سے سست کر رکھا ہے پھر بھی اس نے اقوام تحدہ کی قراردادوں کے باوجود تنخج سے بے پرواہ کرنا پنی منزل کی طرف سفر جاری رکھا ہوا ہے۔

شدت پسند امریکی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ پابندیوں سے کامیابیاں حاصل نہیں ہو پائیں۔ یہ سوال سنجیدہ جواب کا مقاضی ہے کہ کیا ایران کے خلاف سخت پابندیوں سے کوئی تنخج حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ اب ایران کی پوزیشن ناقابل تاخت ہے تاہم ایران اور مغرب کے درمیان ایک درجہ کی مفاداہمت بھی خطے اور خود ان کے اپنے مفاد میں ہے۔

سوال: ایران کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کی مہم میں چین اور روس کا کردار کیا ہے؟

جہاں تک چین اور روس کا تعلق ہے تو ہمیں ایران کے خلاف امریکہ کی طرف سے لائی جانے والی قراردادوں کی تاریخ پر نظر ڈالنا ہوگی۔ امریکہ نے ہمیشہ ان قراردادوں کے لیے انتہائی سخت ڈرافٹ کی شکل میں ابتداء کی لیکن پھر چین اور روس کی طرف سے ویٹو کے خدمتے کے پیش نظر اس نے پس پرده مذاکرات کے باعث ان کے متن میں نرمی کر دی۔ چین اور روس انفرادی حیثیت سے اور اجتماعی طور پر بھی ایران کے

خلاف اس سے زیادہ سخت پابندیوں کے حمایتی نہیں ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پابندیاں مقصد فوت کر دینے والے عمل کے سوا کچھ نہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ اس طرح کی پابندیاں ایران کے اندر سخت رواز مل گجو یا نہ سوچ رکھنے والے افراد کو مزید مضبوط کریں گی۔ ایران کی خوشحالی میں حصہ دار ہونے کے باعث چین اور روس کو بہت کچھ اور بھی دیکھنا پڑ رہا ہے۔ دونوں طاقتوں کے ایران کے ساتھ، بالخصوص اقتصادی نوعیت کے معاملات میں، انہی مذکورہ مصوبو تعلقات ہیں۔ چین کے ایران کے ساتھ انہی تیزی سے بڑھتے ہوئے تجارتی تعلقات ہیں۔ روس نے ایران کو ایٹمی ری ایکٹر فراہم کیا ہے اور وہ ایران کے چاہئے پرمزید بھی فروخت کرنے کی خواہش رکھتا ہوگا۔ ایران نے روس کو انہی جدید ایئرڈ لیفسٹ سٹم کے حصول کے لیے بھاری رقم کی ادائیگی کر رکھی ہے۔ امریکہ روس پر دباؤ ڈالے ہوئے ہے کہ وہ اس سودے کو قلعہ میں ڈالے رکھے یا سرے سے ختم ہی کر دے۔

دوسری طرف چین کے امریکہ کے ساتھ بڑے وسیع تعلقات ہیں۔ اوبا مانے اپنے حالیہ دورہ چین میں تقریباً یہ تسلیم کر لیا ہے کہ چین نئے منظر نامے میں ابھرتی ہوئی طاقت ہے۔ ایک موقع پر وہ یہ تجویز دیتے نظر آئے کہ اس وقت دو طاقتیں ہیں امریکہ اور چین (یعنی US) اور یہ کہ یہ دونوں عالمیگر مسائل کا حل نکال سکتی ہیں یا کم از کم دنیا کی اس سلسلے میں رہنمائی کر سکتی ہیں۔ اسی طرح روس کے بھی امریکہ کے ساتھ یورپیں سیاست کے باعث حساس نوعیت کے تعلقات ہیں اور نیو کے مشرق کے طرف بڑھتے ہوئے پھیلاوہ کی وجہ سے روس کے لیے یہ معاملات انہی نازک بھی ہیں اس پر مسٹر اریہ کے (Strategic Arms Reduction Treaty) START (یعنی) کی معیار ختم ہو رہی ہے اور بہت جلد ایک نئے معاهدے پر مذاکرات متوقع ہیں۔

یہ وہ حالات ہیں جن میں نہ تو روس اور نہ ہی امریکہ ایک دوسرے کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

یہ وہ منظر نامہ ہے جس میں چین اور روس و اشیان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اس نجح پر استوار رکھنا چاہتے ہیں کہ ایران یا ایران کا ایٹمی پروگرام ان کے اپنے دو طرفہ تعلقات کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ نہ کھڑی کر دے۔ وہ بہت محتاط ہیں لیکن ایک مفرودہ سہی بھی ہے کہ ایران کے خلاف بہت شدید اور سخت پابندیوں کی مخالفت کے باوجود چین اور روس یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایران ایک ایٹمی قوت بنے چنانچہ کہا جائے گا کہ یہ دونوں ممالک پر یہاں کن صورت حال سے دوچار ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ ان کے ایران کے

ساتھ تعلقات خطرے میں نہ پڑیں اور دوسری طرف وہ بھی چاہتے ہیں کہ امریکہ اور مغرب انہیں بین الاقوامی سطح پر ایک ذمہ دار کردار کے حامل مالک سمجھیں۔ مختصر ایہ کہ جیں اور روس امریکہ کی پوزیشن کو آہستہ آہستہ کمزور کرنے پر کربستہ ہیں اور غالب امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔

سوال: آپ امریکی دباؤ کو ایران کے اندر کس طرح دیکھتے ہیں؟ یہ ایران کے سماجی اور سیاسی پہلوؤں کو کس طرح متاثر کرے گا؟

ایران نے بیرونی دباؤ کا جواب مقامی استعداد اور صلاحیت کا رہا میں اضافے اور بہتر تنظیم نو کے ذریعے دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ پابندیاں ایران کے لیے ایک نعمت غیر مترقب ثابت ہوئی ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے ایران کے لیے ممکن ہو سکا ہے کہ وہ میکنا لوگی کے میدان میں ترقی کی منازل طے کر سکے اگرچہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے خود انحصاری کی منزل حاصل کر لی ہے۔ بظاہر جو میکنا لوگی وہ استعمال کر رہا ہے اس کا مقابلہ مغربی ممالک کے زیر استعمال جدید ترین میکنا لوگی سے نہیں کیا جا سکتا لیکن ایران کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس کے پاس ایک بڑی ہی جدید فوج ہے جو جارحانہ عزم نہیں رکھتی لیکن اس کی نظریں اپنے ملک کے دفاع پر مرکوز ہیں بالخصوص ساحل علاقوں کے دفاع پر اور اس نے وقت پڑنے پر اپنی ان صلاحیتوں کا مظاہر بھی کیا ہے۔

جہاں تک ایران کی اندرورنی صورت حال پر ان پابندیوں کے اثرات کا تعلق ہے تو قیئماً حکومت کو عوام کا دباؤ بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے لیکن یہ ایسا دباؤ نہیں ہے جو ایران کے ایٹھی پروگرام کی قوی پالیسی کو تبدیل کر سکتا ہو۔ ایٹھی پروگرام عوام میں انتہائی مقبول ہے اور اس مقبولیت کے لئے اسباب ہیں مثلاً خود انحصاری، اسرائیل، بھارت، اور پاکستان کا ایٹھی ممالک ہونا، ایران کی سالمیت اور آزادی کو درپیش خطرات وغیرہ۔ حکومت کے دباؤ برداشت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانی معاشرہ میں بہت چک ہے اور اس میں بے حصی اور سکوت کی کیفیت نہیں ہے۔ انقلاب ایران اب ماضی کا حصہ بن چکا ہے اور بہت سے لوگوں کو یہ احساس ہے کہ جو خطرات و خدشات انقلاب ایران کو ابتدائی دور میں ہوا کرتے تھے اب وہ نہیں رہے اس لیے اب ایرانی عوام کے لیے زیادہ اچھی سودا بازی کی جا سکتی ہے۔ ایران میں حکومت جن

پالیسیوں کو وضع کرتی رہی ہے یا جن کے لیے کوشش رہی ہے وہ کسی نہ کسی طرح تبدیلی یا اصلاح کا جواز بھی نہیں رہی ہیں۔ مثلاً اسلامی انقلاب کی ابتداء سے ایرانی حکومت نے تعلیم نسوان کی حوصلہ افزائی کی ہے چنانچہ ایرانی خواتین کی ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں اس وقت مردوں سے زیادہ خواتین تعلیم حاصل کر رہی ہیں جن کی مختلف پیشوں میں کام کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جب حکومت نے ان معاملات میں لوگوں کی سوچ کو خود مختار کر رہی دیا ہے تو وہ اس حیرت کا شکار بھی ہو رہے ہیں کہ پھر انفلویوں نے ان پر جس سخت پروے اور دیگر پاندھیوں کو لا گو کیا تھا انہیں جاری رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ تبدیلی کے لیے فضا کے سازگار ہونے کا مرحلہ یقیناً موجود ہے۔

یہی صورت حال انسانی حقوق کے دیگر پانڈھیوں کی ہے ایرانی معاشرہ بہت زیادہ تعلیم یافتہ ہے جس میں وہ لوگ بھی کتابوں کے خریدار نظر آتے ہیں جو بہت زیادہ ایمی اور مالدار نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسی سوسائٹی جو بہت زیادہ باخبر بھی ہو اور مواصلاتی انقلاب کے ایک ایسے دور میں زندہ ہو جہاں پوری دنیا کی چیزیں اس تک پہنچ رہی ہوں تو وہ یقیناً اس بات پر حیران و پریشان ہو گی کہ انہیں دنیا میں دیگر اقوام کی طرح آزادی اظہار کا موقع میسر کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ایک فطری اور جائز جدوجہد ہے اور اسی طرح کی جدوجہد آئندہ بھی چاری رہے گی تاہم ایران کا قدم امت پسند طبقہ تبدیلی سے خائف ہے۔ اس خوف کی ایک وجہ ایران کی اپنی تاریخ بھی ہے جس میں شاہ ایران ایک مثال کے طور پر سامنے ہے۔ وہ باخبر ہیں کہ اگر تبدیلی بہت تیزی سے ہو رہی ہو تو حکومت اپنا اختیار گنوائی ٹھکی ہے اور غیر متوقع نتائج سامنے آ جاتے ہیں۔ اس خوف و خطرے نے حکومت کو اور زیادہ قدم امت پسند بنادیا ہے۔

اس سب کے باوجود احمدی نژاد سے قبل اصلاحات کا ایک دور گزرا تھا جس میں کوئی انقلابی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ ایک تدریجی عمل تھا۔ بہر حال ایران کو اپنی راہ خود تلاش کرنا ہے کوئی باہر سے آ کر کچھ نہیں کرے گا۔ بہتر انصاف، دولت کی بہتر تقسیم، اظہار رائے کی آزادی جیسے انسانی حقوق کے پانڈھیوں پر ایرانیوں کی کامیابی خالصتاً اندر وہی جدوجہد پرمنی ہوئی چاہیے اور ایسا لگتا ہے کہ اس جدوجہد کی مستثبت ہی ہو گی۔ غالباً آج کا ایران انقلاب کے دور کی نسبت کم راستِ العقیدہ ہے لیکن پھر بھی انقلاب کی روح کے ساتھ ان کا بڑا مضبوط رشتہ قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایران کو محاصرے میں لینے کی دھمکی دی جاتی ہے تو

صورت حال مختلف ہو جاتی ہے۔ ایرانی اپنے اندر ورنی اختلافات کو بھلا کر سمجھا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان میں قومیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ اپنی اندر ورنی جدوجہد کو موقوف کر دیتے ہیں اور اپنے اختلافات کو بھلا دیتے ہیں جیسا کہ اس وقت ہوا جب صدام حسین نے ایران پر حملہ کیا تھا۔ ایرانیوں کی یہ وہ خصوصیت ہے جس کا ادراک مغرب نہیں کر سکتا۔

اس کے بالکل عکس مغرب اختلاف رائے رکھنے والے ایرانیوں کو مسلسل رقوم فرامہ کر رہا ہے اور ٹیلی و ڈین ایشیان قائم کر رہا ہے تا کہ ایرانیوں کو اظہار رائے کی آزادی، حقوق نسوان اور اسی طرح کے دیگر نعروں کے نام پر حکومت کے خلاف کھڑا کیا جاسکے لیکن ایشی مسئلے پر ایران میں کوئی ایک بھی ایسا نمایاں گروپ نہیں ہے جو مغرب کو خوش کرنے کے لیے ایسی پروگرام کو ترک کر دینا چاہتا ہو۔

سوال: سعودی عرب اور یمن کی سرحد پر یونق ہوئی کشیدگی کی وجہات کیا ہیں؟ عربوں اور ایران کے تعلقات پر اس کشیدگی کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

یمن میں اندر ورنی تفریقات کی ایک طویل تاریخ ہے جنہوں نے ملک میں نظم و ضبط کوتاراج کیے رکھا ہے۔ اس کی سرحد پر ایسے غیر مقبول اور غیر آباد علاقے ہیں جنہیں القاعدہ یا اس طرح کے دیگر عوامل اپنے زیر استعمال لاسکتے ہیں لیکن سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ القاعدہ سعودی عرب کو اپنے دباؤ میں رکھنا چاہتی ہے کیونکہ سعودی عرب امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات میں بڑا ثابت قدم رہا ہے۔

تاہم جو بات معاملات کو پیچیدہ بنا رہی ہے وہ مغرب کا یہ رو یہ ہے کہ وہ بعض اوقات اس خطے میں اپنے دوستوں کو بھی دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس خوف میں بیٹھا رہا ہے کہ کہیں سعودی عرب، پاکستان یا کوئی بھی اور ریاست مغرب کے کنٹرول سے نکل نہ جائے اور اپنے فیصلے خود مقناری سے نہ کرنے لگے۔ کیونکہ یمن ان سرگرمیوں کے لحاظ سے گمراہ معاشرہ ہے اس لیے سعودی حکومت اس لحاظ سے درست ہے کہ وہ یمن میں ان مسلح گروہوں کے وجود کی اجازت نہیں دے سکتی مبادا وہ قابو سے باہر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس موقع پر بھر پور داعل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس مسئلے کو ان پہلوؤں سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے لیکن مغربی میڈیا اس معااملے میں فرقہ پرستی کے عنصر کو گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ایران خارجہ تعلقات اور سفارت کاری میں محتاط رویہ رکھتا ہے مثلاً جب ایران کا سعودی عرب کے ساتھ سخت چملوں کا تبادلہ ہوا تو اس نے کوشش کی کہ یہ صرف دو حکومتوں کے درمیان رہے۔ سعودی عرب نے یمن کے معاملات میں ایران کی مداخلت کے حوالے سے شبہ کا اظہار کیا تھا۔ ایران نے اس کا جواب دیا۔ تاہم یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہے۔ ایران نے کبھی بھی القاعدہ کی ایک تحریک کے طور پر حمایت نہیں کی ہے لیکن اگر معاملات کسی اور نجی پر پہنچ جائیں تو وہ اپنے معاملات میں القاعدہ کے فرار یوں کو کسی صورت برداشت نہیں کرے گا۔ اسی طرح افغانستان کے معاملے میں ایران نے طالبان کی ہمیشہ مخالفت کی ہے کیونکہ اس نے انہیں ہمیشہ سنی فکر سے منحرف اور اسلام کی تاویل میں انہیانی تنگ نظر گردانا ہے جو کہ ایران کی اسلام سے متعلق سوچ کے دشمن ہیں۔

امریکہ نے سیاست کاری کے سارے ہمدربوں کی رائے کو ایران کے خلاف کر دینے پر آزمار کئے ہیں وہ عربوں کو مسلسل اس خوف کا شکار کیے ہوئے ہے کہ ایران ائمیٰ قوت بن سکتا ہے۔ مغربی پروپیگنڈے کا ایک اور مستقل موضوع یہ ہے کہ وہ عربوں اور ایرانیوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کے لیے انہیں یہ باور کرواتا رہتا ہے کہ ایران خلیج اور مشرق و سلطی میں قائدانہ کردار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سعودی عرب میں شیعہ اقلیت کی شکل میں موجود ہیں جو کہ سعودی عرب کے تیل سے مالا مال علاقے کے باسی ہیں۔ مغرب سعودی عرب کو اس خدشے میں بھتلا کیے رکھتا ہے کہ اگر سعودی عرب کے تیل پیدا کرنے والے اس مشرقی حصے میں کوئی شیعہ انقلاب آگیا یا ایرانی اس خطے میں داخل ہو گئے تو سعودی عرب کے استحکام خصوصاً اس کے تیل کے ذخائر کے تحفظ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

اسی طرح کا خوف علاقائی میڈیا کی نسبت مغربی میڈیا نے ایک پالیسی کے تحت پیدا کر رکھا ہے جو کہ برسہ برس سے اس شیعہ سنی عصر کے ذریعے رخنه پیدا کرنے کے لیے کوشش ہے۔ امریکہ نے رخنه پیدا کرنے والے اس عصر کو بہت پہلے سے نوٹ کر رکھا تھا چنانچہ اس نے عراق میں اسے بڑے بڑے انداز میں استعمال کیا جس کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں اندوہنائک اموات واقع ہوئیں حتیٰ کہ مقدس بارگاہوں پر چملوں کے واقعات رومنا ہوئے۔ یہ وہ ہتھیار ہیں جنہیں ایران کے مخالفین اس علاقے میں بڑی کامیابی سے استعمال کر رہے ہیں۔ بہر حال اس علاقے کے لوگوں کے لیے شیعہ سنی کسی بھی لحاظ سے رخنه ڈال دینے

والاعصر نہیں ہے۔ یوگ اس کی موجودگی میں انہائی اطمینان و سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اگرچہ ہسایوں کے ساتھ معاملات کے نقطہ نظر سے انقلاب ایران کے ابتدائی دور سے ہی کشیدگی کی موجودگی مطلق طور پر بھی درست نظر آتی ہے پھر بھی اس کی کوئی نمایاں شہادت موجود نہیں ہے کہ ایران کے توسعے پسندانہ عزم اُم ہیں۔

عربوں اور ایرانیوں کے درمیان موجود بداعتیادی سے انکار نہیں کیا جاسکتا پھر بھی عرب ممالک اور ایران اس حد تک ضرور داش کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ اس بچائے ہوئے جال میں آسانی سے نہیں پھنس رہے۔ شاید ایران کی طرف سے عرب دنیا کو بہت واضح پیغام ہی یہ ہے کہ اس کے کوئی قائد ان ارادے نہیں ہیں اور وہ ہسایوں کے ساتھ اسی طرح کے تعلقات رکھنا چاہتا ہے جس طرح کے متعدد عرب امارات اور دوسری کے ساتھ ہیں۔ جن کی نوعیت یہ ہے کہ متعدد عرب امارات ایران کی تجارت کے بڑے حصے کو کنٹرول کر رہا ہے۔

انقلاب کے رہنماء امام آیت اللہ خمینی ہمیشہ یہ بات دہراتے رہے کہ انقلاب ایران کوئی فرقہ وارانہ انقلاب نہیں بلکہ یہ خالصتاً مسلم یا اسلامی انقلاب تھا۔ تاہم ایران میں اسی دیگر آوازیں بھی شامل رہی ہیں جو انقلاب ایران کو اول و آخر شیعہ انقلاب ہی گردانے ہیں۔ یہ تاؤ تو وہاں موجود ہے لیکن یہ ایسا تاؤ نہیں ہے جس سے کسی اور ریاست کو پریشان ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ اس اندر وہی بحث و مباحثے قطع نظر ایران کے بھیثیت ریاست فیصلے ہمیشہ عملی اور نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ ایران حزب اللہ تعلقات محض شیعہ تعلق کی وجہ سے نہیں ہیں۔ یہ تعلقات درحقیقت اس ہولناک نا انصافی پرمنی رویے کے خلاف ہیں جو فلسطینیوں اور لبنان کے ساتھ روا رکھا گیا ہے اور پچھلی چھوڑ بھائیوں سے ان کے علاقوں کو بارہا تاراج کیا گیا ہے۔ حماں سنی اکثریت کی تنظیم ہے لیکن اس کے ایران کے ساتھ انہائی شاندار تعلقات ہیں۔

حققت پرمنی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ، ایران / شیعہ کے خلاف عرب / اتنی مجاز کھڑا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہ کھینچاتا نی کی جگہ ہے اور اہم بات یہ ہے کہ صدر اوابا ایران کے ساتھ معاملات نمٹانے کے لیے پرامن اور معقول ڈائیلاگ پر استقامت دکھاتے ہیں یا نہیں۔

(ترجمہ: سلمان طاہر)